دونوں شب و روز میں ایک بار ضرور ملتے ۔ مازنی نے عقاد سے کہا کہ ہمیں سیاست سے استعفیٰ دینا چاہئے۔

صرف اس لئے کہ ہمارے درمیان کسی طرح کی کوئی خلیج نہ حائل ہونے پائے۔ دونوں کے تیس سالہ تعلقات بڑے ہی حسن و خوبی سے گزرے ۔ مازنی ہر بات میں نرمی سے کام لیتا کیونکہ اسے یہ بات معلوم تھی کہ عقاد سریع الغضب ہے ۔ مازنی ایسی تدابیر سوچتا کہ جس سے عقاد کا غصہ سرد پڑ جاتا ۔ عقاد نے مازنی کی شرافت کا ذکر اس کے دیوان میں کیا ہے[1]۔ عقاد اور مازنی کی قربت کا پتہ اس سے بھی لگتا ہے کہ مازنی جب انگریزی کے کتبہ پر جاتا تو عقاد کے مشورے سے کتابیں خریدتا[2]۔

عبدالرحمن شکری اور مازنی

عبدالرحمان شکری نے بھی مازنی کی طرح مدرسۃ المعلمین سے فراغت حاصل کی تھی۔ جہاں عقاد اور مازنی کے مابین تعارف ہوا تھا ۔ شکری جب انگلینڈ چلا گیا تو مازنی سے اس کی خط وکتابت شروع ہوئی ۔ دونوں کے تعلقات بہت گہرے ہوگئے ۔ مازنی اپنے خطوط میں عقاد کا مسلسل ذکر کرتا ہے ۔ شکری کی واپسی اسکندریہ میں ہوئی ۔ پھر مازنی نے اسے قاہرہ میں عقاد سے ملوایا ۔ اس طرح شکری سے عقاد کا تعارف ہوا ۔ اس طرح تینوں آپس میں مل گئے ۔ لیکن عقاد اور مازنی میں جو قربت تھی وہ شکری کے یہاں نہیں پائی جاتی ۔ مازنی نے دیوان کے پہلے حصہ میں شکری کی بڑی تعریف کی ہے ۔ اس رسالہ کا نام شعر حافظ رکھا ہے[3]۔

---

[1] حوالہ سابق ص ۷۱ - ۷۲

[2] حوالہ سابق ص ۷۲ - ۷۳

[3] حوالہ سابق ص ۷۹

مازنی اور عقاد نے انگریزی ادب کا مطالعہ بڑی گہرائی سے کیا تھا، شکری کی فرانسیسی ادب پر اچھی نظر تھی۔ اس طرح تینوں ایک ہی سفر کے ہمسفر تھے۔ اہم مسائل پر تینوں تبادلۂ خیال کرتے، تینوں کے اپنے اپنے خیالات اور نظریات تھے مازنی کو افسانے پڑھنے کا شوق۔ عقاد کو فلسفہ سے دلچسپی اور شکری شعر کا رسیا تھا۔

مازنی کی تصنیفات :-

(۱) "حصاد الهشيم" یہ مقالات کا مجموعہ ہے جو ۱۹۲۴ء میں شائع ہوا۔

(۲) "صندوق الدنيا" مقالات کا دوسرا مجموعہ جو ۱۹۲۹ء میں شائع ہوا۔

(۳) "خيوط العنكبوت" مقالات کا تیسرا مجموعہ جو ۱۹۳۵ء میں شائع ہوا۔

(۴) ۱۹۳۵ء ہی میں ایک مقالہ "القومية العربية" کے نام سے منظر عام پر آیا

(۵) "في الطريق" کے نام سے ایک کتاب ۱۹۳۶ء میں شائع ہوئی۔

(۶) "ابراهيم الكاتب" (۷) میدو وشرکاہ

(۸) "عود على بدء" (۹) "ثلاثة رجال وامرأة"

(۱۰) "ع الماشي" (۱۱) "ابراهيم الثاني"

(۱۲) "من النافذة"

اِن کے علاوہ دو ڈرامے "بيت الطاعة وغزيرة المرأة" اور "الشادوف"۔

یہ دونوں ڈرامے انگریزی ڈراموں کے چربے ہیں[1]

---

[1] محمد یوسف کوکن، اعلام النثر والشعر في العصر العربي الحديث، دار حافظة الطباعة والنشر ۱۳ مادة میلا - پورن مدراس نمبر ۱۴ ص ۴۸-۵۳

مولانا شوکت علی

(از: نظمہ برقی)

محمد علی شوکت علی کو ہندوستانی تاریخ میں بے مثال جوڑی سمجھا جاتا ہے، جس نے جنگِ آزادی میں ایک دوسرے کے دوش بدوش باہمی تعاون کیا اور انگریزوں سے نبرد آزما ہو کر اپنی قربانیوں اور ایثار کی وہ مثال قائم کی ہے جو رہتی دُنیا تک یاد رہے گی۔

اس جوڑی کو عام طور پر علی برادران کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے جن کی اخوت و محبت، باہمی ربط وضبط اور خلوص و تعاون نے ہندوستانی عوام کے دلوں پر گہرا نقش قائم کیا ہے۔ دونوں بھائیوں کے ساتھ علی برادران کا لاحقہ تاریخ کی سب سے بڑی حقیقت بن گیا ہے۔ ان کی قربت و رفاقت، یگانگت و انسیت اور میل جول کے تسلسل و ارتباط کا یہ عالم تھا کہ زندگی بھر دونوں بھائی ایک دوسرے پر جان چھڑکتے تھے۔ محمد علی چھوٹے بھائی ضرور تھے لیکن میدانِ سیاست میں اُن کے نام کا ڈنکا بجتا تھا۔ اس کے باوجود انھوں نے اپنے بڑے بھائی شوکت علی کے احترام و تکریم سے ہرگز کوتاہی نہیں کی اور ہر معاملے میں اُن سے مشورہ ضرور کرتے تھے۔

مولانا محمد علی کی خداداد صلاحیتیں، فطری قوتیں اور ذہن و فراست کی بالیدگی نے بہت جلد زمانے سے اپنا خراج وصول کر لیا۔ ان کے قلم کی برشگی، زبان و بیان کی دلکشی اور

قل و طرزِ استدلال ہر شخص کو متاثر کرتی تھی اور وہ ملت کے ہر دلعزیز ہیرو بن گئے۔ لانا شوکت علی اسی عہد ساز شخصیت کے برادرِ کلاں تھے۔ ان میں تنظیم و منصوبہ بندی کی بیناہ قوت موجود تھی۔ اُن کی خلوص نیتی اور انسانی صفات نے شوکت علی کو ایک بلند کرا نصیت بنا دیا تھا۔

شوکت علی اپنے والد عبدالعلی (خاں) کی دوسری اولاد تھے جن کی ولادت ۱۸۷۲ء ں رام پور میں ہوئی۔ یہ اپنے بھائی محمد علی سے چھ سال بڑے تھے۔ ان کی والدہ بی اماں یسے دل گردہ کی مشرقی خاتون تھیں جن کو قدرت کی جانب سے مردانہ دل و دماغ ودیعت و اتھا۔ اُنھوں نے اپنے شوہر کے انتقال کے بعد اپنے ۵ لڑکوں اور ایک لڑکی کی پرورش پرداخت، تعلیم و تربیت اور رہنمائی کی ذمہ داری اپنے سر لے لی۔ عبدالعلی کا انتقال ں وقت ہو گیا جبکہ بی اماں کی عمر صرف ۲۷ سال تھی۔ بی اماں کا اصل نام آبادی بانو تھا ن کے خیالات باغیانہ، پاکیزہ اور مذہب آمیز تھے۔ انھوں نے عملی زندگی میں بڑے وصلہ کا ثبوت دیا۔ اپنے تین لڑکوں، ذوالفقار علی، شوکت علی اور محمد علی کو انگریزی علیم کے لئے جدید اسکولوں میں داخل کرایا۔ بریلی اسکول سے میٹرک پاس کرنے کے عد یہ لڑکے علی گڑھ کالج میں داخل ہوئے۔ مولانا محمد علی ایک جگہ رقمطراز ہیں:-

> "جب میرے بڑے بھائی شوکت کو انگریزی تعلیم کے لئے علی گڑھ روانہ کیا گیا تو ہمارے ایک چچا نے، جو کہ ہمارے خانگی کام کاج اور جائداد کی دیکھ بھال کرتے تھے، بڑے بھائی شوکت کی تعلیم کے لئے اسکول کے مصارف برداشت کرنے سے صاف اِنکار کر دیا لیکن یہ ہماری والدہ ہی کا دم تھا کہ انھوں نے ہماری تعلیم کا بندوبست جاری رکھا اور اپنے زیورات تک کو گروی رکھ کر اپنے ارمان کی تکمیل کی۔ یہ ہماری والدہ کا عزم قابلِ دید تھا حتیٰ کہ ہمارے یہ چچا بھی اُن سے متاثر ہوئے اور انھوں نے گروی شدہ

زیورات کو واپس لے لیا۔ میری تعلیم و تربیت میں شوکت صاحب کا جو دخل تھا، وہ میں کبھی بھول نہیں سکتا۔"

شوکت علی نے بریلی کے ہائی اسکول میں میٹرک پاس کیا۔ دو سال پیشتر ان کے بھائی ذوالفقار علی اس اسکول سے میٹرک پاس کر کے علی گڑھ چلے گئے تھے۔ ذوالفقار علی شاعر بھی تھے اور گوہر تخلص تھا بعد میں وہ مرزا غلام احمد قادیانی کے زیر اثر آگئے تھے اور قادیانی فرقہ میں شامل ہو گئے تھے۔ علی گڑھ کا ایم۔ اے کالج اس زمانہ میں انگریزی طرز کا پبلک کالج تھا جس کو دس بارہ برس قبل سر سید احمد خاں نے قائم کیا تھا۔

شوکت علی کا حلیہ ملاحظہ فرمائیے:۔

"دراز قد، قوی ہیکل، دلکش چہرہ، روشن پیشانی، آنکھیں چمکدار، سر پر فر والا ٹوپ، کلین شیوڈ، مونچھیں نوکیلی اور گنجان، لباس قیمتی، جوتے چمکتے، پاجامہ تنگ موری کا اور چوڑی دار۔ ہاتھ میں سگار دبائے ہوئے اور چہرے پر ایک انوکھی مسکراہٹ"۔

شوکت علی علی گڈھ کے ممتاز و مقبول طالب علم تھے۔ وہ مادر زاد رہنما تھے اور طالب علمی کے دوران ہی وہ یونین کے سکریٹری اور کالج کی کرکٹ ٹیم کے کپتان کی حیثیت میں شہرت حاصل کر چکے تھے۔ ابتدا میں انھوں نے اپنے بھائی محمد علی کی طرف خاص توجہ نہیں کی لیکن یہ جونیر طالب علم (محمد علی) رفتہ رفتہ ایک ذہین طالب علم کے ناطے ابھرنے لگے۔ جب شوکت علی نے محمد علی کی فطری صلاحیتوں کو اچھی طرح بھانپ لیا تو انھوں نے بھی محمد علی کے مستقبل کو سنوارنے کے لئے اپنا حق شروع کر دیا۔

شوکت علی مزاجاً مشفق، مرنجان مرنج، حلیم طبع اور وسیع القلب انسان تھے۔ وہ حقیقتاً خلوص و ایثار کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔ محمد علی نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ "میری تعلیم و تربیت میں بالخصوص آکسفورڈ بھجوانے میں مالی اعانت اور

اخلاقی حوصلہ افزائی شوکت صاحب نے ہی کی تھی۔"

جب محمد علی نے بی، اے پاس کیا تو شوکت علی سرکاری عہدے دار تھے وہ اس زمانہ میں محکمۂ منشیات کے اعلیٰ افسر کی حیثیت سے خاندان کا گذارا کرتے تھے۔ وہ اپنے چھوٹے بھائی (محمد علی) کو بڑا آدمی بنانا چاہتے تھے اس لئے انھوں نے محمد علی کو سرکاری ملازمت کے بجائے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے آکسفورڈ بھجوانے کا بندوبست کیا اور وہاں کے سارے اخراجات کو بلا تامل برداشت کیا۔

مولانا صبغت اللہ فرنگی محلی لکھتے ہیں:—

"۱۹۱۲ء میں ایک نوجوان مولانا عبدالباری سے ملنے آیا۔ اس کے چہرے پر انوکھی کشش تھی۔ اس کا قد ۶ فٹ ۵ انچ تھا یہ نوجوان تھا مسٹر شوکت علی بی اے (علیگ) جو کہ علی گڑھ اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کا سکریٹری، ہندوستان کا معروف کرکٹ کھلاڑی اور سرکاری شعبۂ افیم کا اعلیٰ عہدہ دار تھا۔ وہ ایک فیشن ایبل نوجوان، بذلہ سنج، ایک مستعد منتظم اور باہمت نوجوان تھا جس نے انگریز حاکم کے منھ پر تھپیڑ مارنے میں بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی۔ وہ نوجوان مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا بہادر سپاہی تھا۔ جو اپنی مادر درسگاہ کے لئے روپیہ اکٹھا کرنے کے لئے یہاں آیا ہوا تھا۔ اس نوجوان نے "انجمن خدام کعبہ" کے نام سے ایک سوسائٹی بنائی اور آغا خاں کے مشیر کی حیثیت سے پورے ملک کا دورہ کیا اور اپنی مادر درسگاہ کو یونیورسٹی بنانے کے جوش میں لاکھوں روپے کا فنڈ جمع کر لیا تھا۔"

۱۹۱۵ء میں انگریزوں نے قسطنطنیہ پر اچانک حملہ کر دیا۔ اس پر دنیائے اسلام میں کہرام مچ گیا اور ہندوستانی مسلمان بھی اس سے رنجور ہو گئے۔ مولانا محمد علی نے انگریزوں کی اس پالیسی کی سخت مذمت کی۔ وہ اس وقت تک ملک کے مسلم لیڈر

...ن چکے تھے۔ انگریزی حکومت نے محمد علی کے اس رویہ کو سخت ناپسند کیا اور انھیں ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ کے تحت نظر بند کر دیا گیا۔ شوکت علی اس وقت فقط مذہبی، سماجی اور تعلیمی سرگرمیوں میں سرگرداں نظر آتے تھے لیکن چھوٹے بھائی کی نظر بندی کے بعد وہ بھی سیاست میں کود پڑے۔ شوکت علی ۱۷ سال کی ملازمت کے بعد رضاکارانہ ریٹائر منٹ لے کر سرکاری عہدے سے کنارہ کشی اختیار کر چکے تھے۔ ان کو بھی ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ کے ذریعہ گرفتار کر لیا گیا۔

۱۹۱۱ء میں جب بادشاہ برطانیہ نے دہلی آنے کی خواہش ظاہر کی تھی تو مسلمانانِ ہند نے فیصلہ کیا تھا کہ علی گڑھ کالج کو یونیورسٹی بنانے کا مطالبہ کیا جائے گا۔ چنانچہ چندے اکٹھا کرنے کی ملک گیر تحریک چلی تو شوکت علی نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ انھوں نے قلیل مدت میں لاکھوں روپے چندوں کے ذریعہ جمع کر لئے لیکن حکومت نے شوکت علی کے اس تعلیمی سرگرمی کو بھی سیاسی موشگافی سے تعبیر کیا اور انھیں نظر بند کر دیا گیا۔

۱۹۱۳ء میں شوکت علی نے انجمن خدام کعبہ کی بنیاد ڈالی۔ اس انجمن کے بانی ممبران نے یہ تہیہ کر لیا کہ وہ تحفظِ کعبہ کی خاطر اپنی جان کی بازی لگا دیں گے۔ انگریزوں نے اس تحریک سے خطرہ محسوس کیا اور اس کی سرگرمیوں کو حکومت کے منافی قرار دیا۔

اقبال شیدائی کے مطابق علی برادران اور مولانا عبید اللہ سندھی نے تحریک ہجرت شروع کی تھی۔ ہزاروں لوگوں نے ترکِ وطن کر کے غیر ممالک میں توطن اختیار کر لیا کیوں کہ وہ لوگ ایک غلام دیس میں رہنا نہیں چاہتے تھے۔

۱۹۱۲ء تا ۱۹۱۴ء کی مدت میں علی برادران نظر بند رہے اور اس اثنا میں یورپ کے حالات خراب ہونے لگے۔ ترکی جو ایک آزاد مملکت تھی وہ بھی انگریزوں کی سازشوں کا نشانہ بنی۔ جرمنی ترکی کا طرفدار ملک تھا، اس لئے وہ بھی انگریزوں کی نگاہ میں بری طرح کھٹکنے لگا۔ ہندوستانی عوام انگریزی حکومت سے نالاں ہونے لگے اس لئے نظر تا ان کو

بھی ترکی کے ساتھ ہمدردی ہونے لگی۔

۱۹۱۹ء میں مدراس، لکھنؤ، دہلی اور دوسرے مقامات پر قسطنطنیہ پر انگریزی تسلط کے خلاف مظاہرے اور احتجاجی جلسے ہوئے بمبئی میں چھوٹانی کی صدارت میں ایک خلافت کمیٹی کی تشکیل ہوئی جس کے سکریٹری صدیق کھتری مقرر ہوئے۔ مولانا شوکت علی جیل سے رہا ہوئے تو اُن کو خلافت کمیٹی کا سکریٹری مقرر کیا گیا۔ اس کے بعد شوکت علی بھی سیاسی اُفق پر اپنے چھوٹے بھائی کی طرح چمکنے لگے اور ایک اہم شخصیت بن گئے۔

خلافت کمیٹی کا پہلا اجلاس ۲۴ نومبر ۱۹۱۹ء کو دہلی میں ہوا جس کی صدارت فضل الحق نے کی۔ مہاتما گاندھی، موتی لعل نہرو اور دوسرے قومی رہنماؤں کو بھی اس کانفرنس میں دعوت دی گئی گویا یہ تنظیم انگریزوں کے خلاف ہندو مسلمانوں کا زبردست فرنٹ بن گئی۔ شوکت علی، محمد علی، حسرت موہانی اور دوسرے مذہبی دانشور اس تحریک کے رُوحِ رواں تھے۔ اُنھوں نے آزادی کے لئے جدوجہد کی تحریک کا راستہ ہموار کر دیا۔ ۱۹ مارچ ۱۹۲۰ کی خلافت کانفرنس نے ایک قرارداد کے ذریعہ یہ فیصلہ کیا کہ اگر ترکی پر ناقابلِ قبول شرائط نافذ کی گئیں تو پھر ہندوستانی مسلمان انگریزوں سے قطع تعلق کرلیں گے۔ حکومت نے اس اجلاس کو غیر قانونی قرار دیدیا اور اپنے ملازمین کو اس اجلاس میں شرکت کرنے پر پابندی لگادی۔ خلافت کانفرنس نے اپنا ڈیلی گیشن لندن روانہ کیا جس نے ہندوستانی عوام کے اس مطالبہ کو دوہرایا کہ وہ ترکی کے ساتھ اپنے تعلقات بحال کرے لیکن برطانیہ نے اس کو ٹھکرادیا اور سلطان ترکی کو اس کے اختیارات سے محروم کردیا۔

خلافت کانفرنس کی شاخیں پورے ملک میں قائم ہونے لگیں۔ ہر شخص میں ۱۸۵۷ کی طرح جوش اور ولولہ نظر آنے لگا۔ ہندوؤں نے بھی اس تحریک کا ساتھ دیا۔

۲جولائی ۱۹۲۱ء کو ترک معاملات کی تجویز پاس ہوئی جس میں تمام ہندو اور مسلمان شریک ہوئے۔ ۱۸ جولائی کو خلافت کانفرنس کا اجلاس لکھنؤ میں ہوا اور دسمبر ۱۹۲۱ء کو ناگپور میں اجلاس ہوا جس میں انگریزوں کے ساتھ عدم تعاون کرنے پر زور دیا گیا۔ اس وقت مسلمانوں میں جہاد کا جذبہ کار فرما تھا۔

۸ جولائی ۱۹۲۱ء میں خلافت کمیٹی کا ایک اجلاس کراچی میں ہوا جس میں مولانا محمد علی نے اپنی ولولہ انگیز تقریر میں مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ فوجی ملازمتوں کا بائیکاٹ کریں۔ یہ تقریر ان کی خطیبانہ قوت کا مظہر تھی۔ اس سے انگریز حکومت بوکھلا اٹھی اور اس نے علی برادران، مولانا حسین احمد مدنی، شنکر آچاریہ، ڈاکٹر سیف الدین کچلو اور مولانا نثار احمد کانپوری کو نظر بند کر کے کراچی کے خالق دینا ہال میں مقدمہ چلایا۔ محمد علی نے اپنے دفاع میں جو تقریر کی وہ بڑی دلآویز اور مدلل تھی۔ یہ مقدمہ تحریک آزادی کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

خلافت کا خاتمہ ہو گیا اور مصطفیٰ کمال برسر اقتدار آ گیا۔ ادھر عبدالعزیز بن سعود نے ۱۹۲۴ء میں حجاز پر دھاوا بول دیا۔ خلافت کانفرنس نے ۱۹ مارچ ۱۹۲۴ء کو ایک قرارداد پاس کی اور عربوں کی آزادی کی بھرپور حمایت کی۔ ۵ اکتوبر کے قرارداد میں حجاز کے لئے جمہوری نظام کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ اس کے سلسلے میں ایک ٹیلی گرام ابن سعود کو بھیجا گیا۔ ۲۴ اکتوبر کو ابن سعود نے شوکت علی کے نام یہ جواب بھیجا:

"آپ کا تار موصول ہوا اور ہم ہندوستانی مسلمانوں کے جذبات سے بے حد ممنون ہوئے۔ جب تک شریف حسین یا اس کے خاندان کا کوئی فرد بھی مکہ کی حکومت پر قابض ہے، عوام چین سے نہیں بیٹھیں گے۔ حسین تمام واقعات کے لئے ذمہ دار ہے اور مکہ اس کی حرکتوں کا شکار ہے۔ لیکن